

مستقبل کے فقہاء کیلئے تاریخ کے جھروکوں سے

مشرق مغرب اور تہذیبوں کا مکالمہ

ڈاکٹر وحید عشرت، ڈیپٹی ڈائریکٹر

اقبال اکیڈمی پاکستان، لاہور

ماضی پر نظر دوڑائیے تو آپ دیکھیں گے کہ مشرق اور مغرب دونوں فکری اور سیاسی دونوں سطحوں پر آپس میں متصادم چلے آ رہے ہیں۔ مغرب نے اہل مشرق کو ان کے گرم موسموں کی وجہ سے ست، کاہل اور نکلے تصور کیا، کیونکہ شدید گرمی ان کے خیال میں انسانی، اعصاب کو شل کر دیتی ہے اور وہ کسی کام کے قابل نہیں رہتے۔ اسی طرح ابن خلدون نے اہل مغرب کو اجڑ سمجھا اور کہا کہ سرد اور بخ بستہ ہوائیں انسانی عصبیہ کوست اور غیر متحرک کر دیتی ہیں۔ سردی کی وجہ سے دماغ سن ہو کر رہ جاتا ہے وہ حرکت میں حتیٰ کہ خوراک کے حصول میں بھی دقت محسوس کرتا ہے۔ راستے دشوار ہو جاتے ہیں پانی جم جاتا ہے اور گھر سے نکلنا محال ہو جاتا ہے۔ لہذا اہل مغرب کی پس ماندگی کا سبب شدید سردی اور دھند اور کھر میں لپٹا ہوا موسم ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مشرق و مغرب کے دانشوروں کے موسمی حالات کے حوالے سے دونوں تجربے کسی حد تک درست ہیں۔ سخت سردی اور سخت گرمی کے موسم دونوں انسانی اعصاب پر بری طرح اثر انداز ہوتے ہیں اور وہی نتائج پیدا کرتے ہیں جو ان دانشوروں نے مرتب کئے مگر دونوں طرف کے ان عمرانی مفقوجین نے موسموں کو تو دیکھا مگر انسانی عزم و استقلال کو نظر انداز کر دیا کہ اس کے سامنے موسموں کے اثرات بولا کھ مہلک سہی مگر انسان نے اپنی ترقی اور فلاح میں ان کو سدراہ نہیں بننے دیا بلکہ کسی حد تک ان پر قابو پا کر مشرق اور مغرب میں عظیم تہذیبوں کو جنم دیا ہے۔ اب تو شدید موسمی اثرات بھی انسان کے کسی حد تک قابو میں آ چکے ہیں اور دنیا انتہائی مختصر ہو کر انسانی مٹھی میں آ گئی ہے۔ سیاسی طور پر بھی ماضی میں مشرق و مغرب ایک دوسرے سے متحارب رہے ہیں۔ اہل بابل نے اور ایران کی عظیم حکومتوں نے عراق شام اور ترکی کو تاراج کر کے ایشیائے کوچک اور یورپ کے مشرقی حصوں تک نفوذ حاصل کر لیا۔ اور مختا فشی ایرانیوں نے تو یونان کے صدر مقام ایتھنز کو سکندراعظم سے بھی قبل جلا دیا تھا جس کا بدلہ لینے کے لئے ہی سکندراعظم ایران پر حملہ آور ہوا

اور اس نے تخت جمشید کو جلا دیا تھا۔ چنانچہ بابل، نینوا اور موصل کے علاقوں کے ریاضی دان، سائنسدان اور ماہر نجوم و فلکیات علم کے ان مراکز سے بھاگ کر ایشیائے کوچک میں جمع ہو گئے اور وہاں سے یونان اور دیگر مشرقی یورپ کے علاقوں میں چلے گئے۔ ایشیائے کوچک کے شہر ملیٹس کا باشندہ طالیس ملٹی یاس کے آباد و اجداد بھی ایرانی حلقوں کے بعد ایشیائے کوچک میں پناہ لینے والوں میں شامل تھے جسے دنیا کا پہلا فلسفی اور سائنس دان ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ جملہ معترضہ کے طور پر ہی سہی مگر یہاں عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یونان میں جو ایشیائے کوچک کے قریب ترین ہے وہاں فکری روئیدگی کا سبب بھی بابل و نینوا کے علاقوں سے بھاگے ہوئے دانشوروں کی سرگرمیاں تھیں انہی کے اثرات سے وہاں وہ تہذیب پیدا ہوئی جس نے یونان اور اٹلی میں بڑے دامغوں اور سیاسی نظاموں کو جنم دیا۔ جس میں فیثاغورث، سقراط، افلاطون اور ارسطو پیدا ہوئے اور جو نہی وہ کھپ ختم ہوئی تو یونان

دوسرے ممالک کی ڈوب گیا۔ سکندر تہذیب کا سیاسی ایشیا کے ایک حصے روند کر مغرب کو سیاسی برتری عطا کے درمیان تصادم

پاکستان نے اپنے افغان بھائیوں، عرب ممالک اور امریکی امداد اور اسلحہ سے روس کی تمام عسکری قوت کے باوجود اسے اٹھا کر دریائے آمو کے پار پھینک دیا۔ روس ریزہ ریزہ ہو گیا دیوار برلن گر گئی..... یقیناً یہ اس صدی کا ایک بڑا واقعہ ہے.....

براعظم یورپ کے طرح تاریکی میں اعظم جو اس یونانی عروج تھا اس نے کو اپنے پاؤں تلے مشرق پر پہلی، بڑی کی اور مغرب و مشرق

کی ایک بڑی روایت کو ختم دیا۔ اس کے کچھ دیر بعد قیصر روم نے شام، فلسطین، اردن اور مصر کو ختم کر کے اہل مشرق کی سائیکس میں مغرب سے تصادم اور اس پر غلبہ کی خواہش کو ختم دیا۔ یہی خواہش اہل مشرق میں خفتہ رہی اور جب اسلام نے قیصر و کسری کے علاقوں پر غلبہ حاصل کیا اور وہ افریقہ کے شمالی علاقوں سے اور یورپ کے دروازے قسطنطنیہ پر فتح یاب ہوا تو اہل یورپ نے مزاحمت کے لئے یورپ کے حکمرانوں کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا تاکہ عالم اسلام کی سیاسی، مذہبی اور تہذیبی یلغار کو روکا جاسکے مگر سپین کے راڈرک کی پیش رفت ان کے کسی کام نہ آسکی اور اسلام کم و بیش ۹ سو سال تک اپنے پورے تہذیبی طمطراق کے ساتھ اندلس میں موجود رہا اس کے اثرات برطانیہ، فرانس، جرمن اور اٹلی اور صقلیہ تک مرتب ہوئے اور اسی طرح مشرقی یورپ میں بھی مسلمانوں کو فروغ ہوا۔ یورپ نے مسلمانوں کی

☆ العادة محكمة ☆ عادت کو حکم بنایا گیا ہے یعنی فیصلہ عرف کے مطابق ہوگا ☆

کمزور سیاسی قیادتوں سے فائدہ اٹھا کر شیردل و درچڑ کی قیادت میں صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع کیا جو واضح طور پر یورپ نے مذہبی اور مقدس لڑائی بنادی اگرچہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے یورپ کو شکست دی اور ان کی پیش قدمی روک دی مگر اس کے نتیجے میں رفتہ رفتہ پچھلے اور یورپ سے مسلمانوں کا تقریباً خاتمہ ہو گیا۔ مسلمانوں کے سیاسی، فوجی اور تہذیبی زوال اور یورپ کی سائنسی ترقی اور علوم و فنون میں برتری نے مشرق و مغرب میں پھر آویزش کو جنم دیا اور مسلمانوں کے علاقوں پر سائنس، ٹیکنالوجی اور فوجی برتری کی بنا پر یورپ نے قبضہ کر لیا اور عالم اسلام ان کی نو آبادیوں میں تبدیل ہو گیا۔ اگر یورپ نسل پرستی کے خطہ میں اور عالم اسلام کو بد مقابل نہ پا کر ایک دوسرے کے مقبوضات کی چھیننا جھپٹی میں مبتلا نہ ہو جاتا اور نیشے کا اندھی قوتوں کا پروردہ سپر مین ہٹلر نمودار نہ ہوتا اور جرمنی اور اتحادیوں کے درمیان ٹکراؤ سے یورپ دو عظیم جنگوں سے تباہ نہ ہوتا تو یقیناً ابھی عالم اسلام کو آزادی نصیب نہ ہوتی اسلئے کہ جنگ سے افرادی، قوت اور اقتصادی لحاظ سے برباد مغرب اب زیادہ دیر پور بی نوآبادیاتی نظام قائم نہیں رکھ سکتا تھا۔ جرمنی کا فریڈرک ایشٹنبرگ وہ پہلا بڑا مفکر ہے جس نے اس صورت حال کا اپنی مشہور کتاب ”زوال مغرب“ میں ادراک کیا کہ یورپ یعنی مغرب اب زوال کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ٹوئن بی نے بھی تاریخی شعور کے تناظر میں اس زوال کو دیکھ کر مختلف مذاہب کے مثبت اور نمایاں پہلوؤں کے اشتراک سے ایک عالمی تہذیب، عالمی معاشرہ اور عالمی مذہب اور عالمی ریاست کے تصورات کی طرف پیش قدمی کی جو بطور ایک نصب العین کے امریکہ اور مغرب کے مختلف ذہنوں اور اداروں کے سامنے موجود ہے۔ اس کو جدید اور تیز رفتار سائنسی ترقی نے اور مؤثر کر دیا ہے جس کے ذریعے دنیا سبکڑ کر اور زمینی حد بندیوں سے اوپر اٹھ کر مختصر ہو گئی ہے۔ ٹوئن بی کے اس فلسفے کی امریکہ اور یورپ میں پذیرائی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ سائنس و ٹیکنالوجی اور علوم و فنون بالخصوص اسلحہ، ذرائع ابلاغ، رسل و رسائل اور کمپیوٹر میں ترقی کی بنا پر اسے جو برتری حاصل ہوئی ہے ٹوئن بی کے تصورات امریکہ اور مغرب کے پوری دنیا پر غلبہ بلکہ قبضہ میں معاون بنے ہیں۔ یورپ یعنی مغرب کو عالمی سماج، عالمی مذہب، عالمی فلسفے اور عالمی ریاست کے قیام کے سلسلے میں تین اطراف سے مزاحمت کا خدشہ تھا۔ ایک عسکری اور اسلحہ قوت روس تھا جو مغرب کی نسل پرستی سے بغاوت کر کے اقتصادی پیمانے پر سرمایہ دار اور پروتاریہ میں سماج کی تقسیم کا قائل تھا اور وہ سرمایہ کاری نظام کے برعکس اشتراکیت کے فلسفے پر ایک عدم طبقاتی سماج کی تخلیق چاہتا تھا۔ ایک متوازن اور مبنی

☆ جس نے قبل از وقت کسی شی کے حصول کی کوشش کی اسے اس سے محرومی کی سزا دی جائے گی ☆

برائصاف سماج جس میں انسان کی فوز و فلاح بنیادی مقصد ہو، مارکس کے پیش نظر ہوتا تو یقیناً اسے کامیابی ہوتی مگر اس کے عدم طبقاتی سماج میں ریاست بھی ایک آلہ استحصال تھی اور عدم طبقاتی سماج کے قیام کے بعد ریاست کو تاریخ کے عجائب گھر میں رکھے جانے کی مارکس نے اپنے یوٹوپیا میں نوید سنائی تھی۔ مگر عملاً جب اشتراکیت روس میں نافذ ہوئی تو اس کی ریاست عسکریت کا ایک عفریت بن کر ظاہر ہوئی جس نے ایک طرف تو مشرقی یورپ کو روند ڈالا اور دوسری طرف وسط ایشیائی مسلم ریاستوں کو ہڑپ کر لیا اور جنوبی ایشیا کو پامال کرنے کے لئے جب افغانستان میں اکھاڑ پچھاڑکی تو پاکستان نے اپنے افغان بھائیوں، عرب ممالک اور امریکی امداد اور اسلحہ سے اس کی تمام عسکری قوت کے باوجود اسے اٹھا کر دریائے آمو کے پار پھینک دیا۔ روس ریزہ ریزہ ہو گیا دیوار برلن گر گئی..... مشرقی اور

مغربی جرمنی آپس میں مل کمزور کر کے ہٹلر نے جنوبی ہموار کر کے جو احسان کیا تھا کو اتحاد کا تھخہ دے کر اتار دیا کے نتیجے میں ہنگری آزاد ہوا بوڈاپسٹ کی سڑکوں پر روسی دہائی میں سینکڑوں نوجوانوں

اقبال نے کیا خوب بات کہی کہ مسلمانوں نے اسلام کو کبھی نہیں بچایا بلکہ اسلام نے ہمیشہ مسلمانوں کو تحفظ، زندگی اور قوت بخشی ہے۔

بوسنیا، کسوا، چیکو سلاویہ، یوگوسلاویہ آزاد ہوئے وہاں کی مسلم ریاستوں بوسنیا، کسوا اور روسی ریاست جوجینیا کو آزادی نصیب ہوئی اور اشتراکیت آج تاریخ کے عجائب گھر میں بھی اپنی بے چارگی کے آنسو بہا رہی ہے۔ دوسرا چین مغرب کو چین سے ہوسکتا ہے مگر وہ بھی ایک اشتراکی ریاست تھا اور آبادی اور اسلحہ کے اعتبار سے مغرب کے ہم پلہ ہے، تاہم چین کے ثقافتی انقلاب کے بعد چین نے اشتراکیت کی کنگھی اتار کر پھینک دی ہے۔ اب وہاں مغربی ثقافت کا پھر سے چلن ہونے لگا ہے۔ اشتراکیت بھی بچی کھچی موجود ہے اور چین میں کنفیو شس ازم کا احیا بھی ہو رہا ہے۔ سکینگ اور بعض دوسرے علاقوں میں روح مسلمان بھی بے قرا نظر آ رہی ہے۔ چین نے گرچہ پاکستان کے توسط سے امریکہ سے دورہ ہنری کسنجر کے بعد رابطہ کیا اور پاکستان کے توسط سے ہی وہ اسلامی دنیا سے بھی نپے تلے انداز میں روابط بڑھا رہا ہے تاہم چین دنیا کی ایک ارب آبادی کا وسیع سمندر ہے

ماجاز لعذر بطل بزوالہ ☆ جس کا استعمال مذکر کی وجہ سے جائز ہو مگر ختم ہوتے ہی جواز بھی ختم ہو جائے گا۔

وہ اپنی حدود میں متلاطم رہتا ہے کناروں سے اچھل کر بے کراں ہونا اس کی روایت نہیں تاہم روس کے بعد امریکہ کو چین سے بھی ایک بڑا خطرہ محسوس ہو رہا ہے بالخصوص اسے چین کے عالم اسلام اور عالم اسلام کی ایٹمی قوت پاکستان سے بڑھتے ہوئے روابط ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ امریکی تجزیہ نگار اس بات سے خوف زدہ ہیں کہ اگر عالم اسلام اور چین اتحادی بن گئے اور جو کھیل امریکہ نے پاکستان کے ذریعے افغانستان میں کھیل کر روس کو انجام تک پہنچایا ہے وہی اگر چین نے مسلمانوں کے ذریعے امریکہ اور یورپ میں شروع کر دیا تو مغرب تو دیکھتا ہی رہ جائے گا۔ تیسرا خطرہ مغرب کے لئے بھارت ہو سکتا تھا۔ آبادی زرغیزی اور رقبے کے لحاظ سے ایشیا کا ایک بڑا ملک ہے۔ امریکہ کی حکمت عملی مرتب کرنے والوں نے بھارت کی غلامی کی نفسیات سے پورا فائدہ اٹھایا اور اسے اپنا حلیف بنالیا۔ بھارت نے بھی اپنے مغربی رویے کو اپنی ڈھال بنالیا اور مغرب اور امریکہ کو یقین دلادیا کہ وہ یعنی بھارت امریکہ اور اہل مغرب کا غلام ہے اور وہ چین کے مقابلے میں اگر طاقت اور توانائی حاصل کر لے تو وہ چین کی توسیع پسندی بھی روک سکتا ہے اور ضرورت پڑنے پر امریکہ کے مفادات کا خطرے میں تحفظ بھی کر سکتا ہے۔ بھارت نے اس مقصد کے لئے ۱۹۶۲ء میں لداخ میں سرحدی چھیڑ چھاڑ بھی کی مگر چین سے شکست جو اہل نہرو کی موت پر منبج ہوئی۔ بھارت نے اس شکست خوردگی کو مٹانے کے لئے ۶۵ء میں پاکستان پر حملہ کر دیا اور یہاں بھی شکست ہی مقدر رہی جسے معاہدہ تاشقند نے دھوڑالا اور شکست خوردہ شاستری سیاسی فتح سے شادی مرگ کی نذر ہو گیا۔ بھارت کو نہ چین سے لڑنا ہے اور نہ لڑنا تھا وہ تو پرانے ہندو راجوں کی طرز پر ارد گرد کی چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستوں پر چھٹنے کے لئے قوت حاصل کر رہا تھا اور یہی اس نے بھوٹان، سک، جونا گڑھ، حیدر آباد اور کشمیر میں کیا۔ اور یہی رویہ اس نے پاکستان، بنگلہ دیش سری لنکا، سیلون اور دوسرے ممالک سے اپنارکھا ہے۔ مغرب اور امریکہ کو ہند کی عیاری کا تجربہ نہیں، انہیں اپنی قوت پر بھروسہ ہے پھر ہندو بھی ایک ایسی تہذیب ہے جو ہندوستان سے باہر کہیں نہیں۔ اس کی توسیع پسندی سے مغرب اور امریکہ کو کوئی خدشہ نہیں اور ہندومت کبھی بھی عیسائیت اور مغرب کے لئے خطرہ نہیں رہا۔ تاہم اب بھارت ٹیل گر جا گھر جلائے جا رہا ہے۔ اس کی مغربی مغرب کو ہمیشہ مرغوب رہی ہے۔ صرف ہندو کمزور کے لئے عفریت مٹا ہے۔ اسرائیل جو ایک یہودی ریاست ہے وہ اپنی تمام تر اقتصادی حیلہ گری کے باوصف عیسائیت اور مغرب کے لئے کبھی چیلنج نہیں بنا پھر دولت پرستی یہودی اور ہندو دونوں میں مشترک ہے۔ یہ وہ تمام حسدات ہیں جن کی

بنا پر امریکہ اور اس کی اتحادی قوتیں اسرائیل اور بھارت پر تنہی ہوئی ہیں حالانکہ امریکہ اور اس کے اتحادی نہیں جانتے کہ بھارت عالمی سطح پر امریکہ اور مغرب کے کسی بڑے بحران میں کام نہیں آ سکتا۔ بھارت میں پندرہ کروڑ سے زائد مسلمان چھ کروڑ، عیسائی تیس کروڑ، اچھوت اور سکھ اور دوسری اقوام آباد ہیں۔ ہندو پچاس کروڑ سے زائد نہیں۔ ایک کثیر النسل ملک جس میں کوئی چیز مشترک نہیں نہ نسل، نہ زبان اور نہ مذہب وہ قوت کے بل پر متحد ہے روس کی طرح ذرا سی چوٹ پڑنے پر یہ کسی بھی وقت بکھر سکتا ہے۔ اس کی بنیادیں بڑی کمزور ہیں۔ اس میں ایک عظیم قوت بننے کے امکانات مفقود ہیں اگر ایسی قوت روس کو تباہی سے نہیں بچا سکی تو بھارت کو کون بچائے گا؟ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی گرفت ڈھیلی ہوئی تو یہ تاش کے پتوں کی طرح بکھر جائے گا۔ لہذا یہ مغرب اور امریکہ کے لئے کوئی

حقیقی خطرہ نہیں۔ امریکہ وہ دو ارب مسلمانوں کی ہندوؤں سے محبت کی ترجیح دے رہا ہے۔ دیکھنا کمانی کرتا ہے۔ امریکہ صرف اور صرف اسلام ہیں۔ اسی لئے زوال

اگر عالم اسلام اور چین اتحادی بن گئے اور جو کھیل امریکہ نے پاکستان کے ذریعے افغانستان میں کھیل کر روس کو انجام تک پہنچایا ہے وہی اگر چین نے مسلمانوں کے ذریعے امریکہ اور یورپ میں شروع کر دیا تو مغرب تو دیکھتا ہی رہ جائے گا۔

کی یہ بھی بے وقوفی ہے کہ قیمت پر پچاس کروڑ زیادہ پینگیں بڑھانے کو یہ ہے کہ اس سے مغرب کیا اور اہل مغرب کے لئے اور مسلمان خطرہ ہو سکتے مغرب کی پیش گوئی کرتے

ہوئے فریڈرک اشنپنگر نے مسلمانوں کو بھی خوف زدہ کرنے کی کوشش کی کہ جس طرح جسم نامی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتا اسی طرح ایک بار برباد ہونے والی تہذیب بھی دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ تہذیب بھی جسم نامی کی طرح ہے جو جنم لیتی ہے، جوان ہوتی، کہوت کا شکار ہوتی اور پھر مر جاتی ہے۔ اشنپنگر کے تہذیب و ثقافت کو جسم نامی تصور کرنے کے پیچھے بھی ابن خلدون ہے جس نے انسانی عصبہ پر یہ اتخراجات کئے، ابن خلدون نے یہ ٹھوکر کیوں کھائی اس پر پھر کبھی بات ہوگی۔ تاہم تہذیب و ثقافت کو جسم نامی تصور کرنا اشنپنگر کی بے تکلی بات ہے اس کے لئے خود اس کے پاس دلائل نہیں اس نے تو ابن خلدون سے یہ نظریہ مستعار لیا ہے۔ یہ حماقت تو بیگل کے ہاں بھی وارد ہوئی جس نے تاریخ کو نامی تصور کیا۔ بہر طور اقبال نے اشنپنگر کے اس نظریے کو اسلام کے حوالے سے قبول نہیں کیا کہ اسلامی ثقافت بھی ایک جسم نامی ہے جس پر بچپن جوانی

اور بڑھا پاو اور ہو سکتا ہے اس لئے کہ اسلام حیات بعد الموت پر یقین رکھتا ہے۔ اقبال اگر ابن خلدون کے موقف کو بھی رد کرتے کہ تاریخ، تہذیب اور ثقافت پر یہ نایت کارگر نہیں تو صورت حال ہی بدل جاتی وہ بنیاد ہی گر جاتی جس پر پچھارہ اشننگر ایک ٹانگ پر کھڑا ناچ رہا ہے۔ اسلام صرف ایک تہذیب اور ثقافت نہیں تہذیب اور ثقافت اسلام کی پیداوار ہے اسلام ایک دین ہے اور دین آدم سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک اور اس کے بعد مسلمانوں میں ایک زندہ قوت کی طرح رواں دواں ہے۔ اقبال نے کیا خوب بات کی کہ مسلمانوں نے اسلام کو کبھی نہیں پچایا بلکہ اسلام نے ہمیشہ مسلمانوں کو تحفظ، زندگی اور قوت بخشی ہے۔ اسلام کے بارے میں مغرب کے سارے شکوے اور انا، رے غلط اور انکل پچو ہیں وہ مذہب کو یہودی نسلیت اور عیسائی پالی تثلیث کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، یہ قوت اشننگر کو اسلام پر مجوسیت کا جو غلاف نظر آتا ہے وہ اس کی اپنی عقل پر پڑا ہوا ہے۔ اسلام تو مجوسیت سے قبل بھی موجود تھا۔ اسلام پر مجوسیت عیسائیت اور یہودیت کے غلاف چڑھا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات کو مسخ کیا گیا۔ چلئے اس قے کو چھوڑیے۔ یہ اپنے محل پر پھر کبھی بیان کروں گا۔ کیونکہ بحث بہت لمبی ہو جائے گی اور مجھے فرحتیو شوا آن (شیخ عیسیٰ نور الدین) مارٹن لیننگر (ابوبکر سراج الدین) اور اس پورے خانوادے کے دین اور مذہب کے انتشارات فکر تک آنا ہوگا جو وحدت دین کی بجائے وحدت ادیان کے شغل بے معنی میں گزشتہ پچاس سالوں سے جان کھارہے ہیں۔ اور تمام مذاہب اور تہذیبوں کو روایت کے ہمام دستے میں ڈال کر مسلسل کوٹ رہے ہیں کہ شاید کوئی ایسی معجون تیار ہو جائے جو وہ اکیسویں صدی میں بیسویں صدی کے دہشت زدہ انسان کو چٹا کر مغربی بالادستی کا نیا اکھاڑہ جماسکیں۔ ہمارے یہ نو مسلم بھائی اگر لارنس آف عربیہ نہیں ہیں تو انہیں جان لینا چاہیے کہ چنے، عمامے اور محض ڈاڑھی میں اسلام نہیں ہے۔ انہیں دین میں صحیح طریقے سے پورے پورے داخل ہونا چاہیے اور مغربیت کے تمام بتوں کو اپنی آستینوں سے گرا کر رود بار انگلستان میں ڈبو دینا چاہیے۔ مغرب کے وہ جدید دانشور جن میں کئی نام شامل ہیں اور جوروں کی جدید ترین ایٹمی عسکریت کی ایٹمی اسلحے سے نہتے افغانوں اور پاکستانیوں کے ہاتھ پٹائی اور تباہی کا بیسویں صدی کے آخر میں نظارہ کر چکے ہیں۔ اکیسویں صدی میں داخل ہوتے ہوئے ان کی ٹانگیں کانپ رہی ہیں۔ ریچرڈ ڈکسن، ہنری کسنجر، برنارڈ لیوس، جان لیسو، ہینٹنگٹن اور فرانس فو کو یاما کی تمام تر دانشوری اس شعبہ سے امید لگائے ہوئے ہے کہ وہ مسلمانوں کو ذہنی شکست خوردگی

کے احساس میں جکڑ دے اور سائنس، بیکنالوجی، ذرائع ابلاغ، مواصلات اور کمپیوٹر سے مسلح امریکہ اور مغرب عالم اسلام پر پل پڑے، انہیں کچل ڈالے، اقتصادی طور پر پانچ کرے اور ان کو الگ باندھ کر رکھے تاکہ یہ آپس میں مل کر مغرب کی عالمی بلا دستی کا شیش محل اپنی کسی منہجیت سے پتھر پھینک کر چکنا چور نہ کر دے، اسی لئے وائٹ ہاؤس پر کوئی معمولی سا کنکر بھی پھینکتا ہے تو وہ دہشت گرد بن کر امریکہ کو مطلوب ہو جاتا ہے اور اگر امریکہ عراق، افغانستان اور لیبیا میں بم گرائے، غنڈہ گردی کرے تو وہ اسے اپنا استحقاق سمجھتا ہے اس لئے کہ ابھی وائٹ ہاؤس کی یواروں میں وراڑیں ڈالنے والے پالٹوں میں ادب تک رہے ہیں۔ یہ کسی کے محتاج نہ ہوں گے یہ اپنی قیادت خود پیدا کریں گے اور موجودہ دور کی منافقت کے سارے لبادے جلا کر انقلاب کا پرچم اٹھا کر نکلیں گے۔ تاریخ کا عمل نہ تو ہیکل کی تصویری جدلیت کا تابع ہے اور نہ مارکس کی مادی جدلیت کا اور نہ ابن خلدون اور ٹنگر اور ٹونن بی کی نامیاتی اصطلاحات تاریخ کے عمل کو جکڑ سکتی ہے۔ اور نہ تہذیبوں کا ٹکراؤ فرانس فوکویاما کی رائے کے مطابق خیالات و نظریات کے تصادم سے ہوتا جس سے کہ تاریخ کی افزائش ہوتی ہے۔ فوکویاما نے اپنے اس نظریے میں کوئی نئی بات نہیں کی اس نے صرف ہیکل کی تصویری جدلیت کا ایک بھدا سا چر بہ تیار کیا ہے اور ایسے ہی کمتر اور بودے تصورات پر مغرب نے صدیوں سے ایمان لا کر انسانیت کو تباہ و کیفیت میں مبتلا کر رکھا ہے اور مغرب بار بار مشرق سے لڑنے اور اس پر چڑھ دوڑنے اور اس کو ختم کرنے کے خط میں مبتلا ہے۔ ابھی تک مغربی دانشور اس سفاکانہ جنگی بخار سے باہر نکلنے پر آمادہ ہی نہیں۔ وہ نئے حقائق کو دیکھنے کے قابل ہی نہیں ہوئے ان کی سوئی ابھی تک مشرق کو پچھاڑنے پر انگلی ہوئی ہے۔ حالانکہ اگر وہ آگ سے کھینٹنا نہ چھوڑیں گے تو وہ اس گمان میں نہ رہیں کہ خود جھلنے سے بچ جائیں گے۔ انہیں اب نئے حقائق کا شعور حاصل کرنا چاہیے کہ نہ مغرب مشرق کا دشمن ہے اور نہ مشرق مغرب کا دشمن۔ یہ اب کوئی مسئلہ ہی نہیں رہا۔ مغرب کا پس ماندہ اور بیمار ذہن اور صلیبی جنگوں سے خوف زدہ نفسیاتی طور پر مریض اور اعصاب شکستہ انسان ابھی تک فطرت کا یہ اشارہ نہیں سمجھتا کہ مشرق اور مغرب الگ الگ نہیں بقول قرآن دونوں اللہ کے لئے ہیں دونوں جگہ کا انسان ایک ہے ایک ایسے آورش، ایک جیسی انگلیں، ایک جیسی تمنائیں اور آرزوئیں اپنے سینے میں آباد کئے ہوئے ہے۔ اسے مشرق و مغرب کے جنگجو اور جنگ کے طبل اور بتائے بجانے والے غبی اور انسانیت دشمن دانشوروں جن کی مغرب میں اس وقت اکثریت ہے اور جو ذرائع ابلاغ اور پریس کے خنجروں سے لیس ہیں انسانیت

کے سب سے بڑے دشمن ہیں جو ان میں افتراق ڈال کر انہیں آپس میں سگھم گھما کرنے کے لئے منطقیں گھماتے رہے ہیں۔ انہیں اپنی ناک کی اونچائی سے انسان بہت چھوٹا نظر آتا ہے۔ دوسرے وہ سیاہ بخت مغربی سیاست میں ہیں جو بندوق کی طرح اچھل کود رہے ہیں ان کے ہاتھ میں ایٹمی ٹیکنالوجی کا ستر آگیا ہے ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ انسانیت کے گلے پر چلا نہ دیں اس لئے کہ ایٹمی ماچس کی تیلی انسان کے ہاتھ میں ہے اور خرمن انسانیت کے مستقبل سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں کیونکہ اگر انہیں انسانیت کے مستقبل سے کوئی دلچسپی ہو تو وہ اپنے لئے اور مکارم اخلاق اور دوسروں کے لئے دوسرے مکارم اخلاق وضع نہ کریں کفر پر حکومتیں قائم رہ سکتی ہیں ظلم پر نہیں تاہم امریکہ اور اہل مغرب کی ساری سیاست ظلم پر تیار ہو رہی ہے۔

عالم اسلام:

عالم اسلام، برٹارڈ لیوس کو ۲۱ ویں صدی میں اس لئے مد مقابل نظر آتا ہے کہ عالم اسلام کی چند حیاتی ہوئی آنکھوں کی میل یکجہل خود مغرب اتار رہا ہے۔ جس طرح یہ کہاوت ہے کہ مسلمانوں نے مار مار کر مہذب بنایا اسی طرح یہ بھی کہاوت بننے والی ہے کہ امریکہ اور یورپ مسلمانوں کو مار مار کر اپنے خلاف متحد ہونے پر مجبور کر دیں گے۔ روسی عسکریت کے ساتھ افغانوں اور پاکستانیوں کے ٹکراؤ اور روسی ریچھ کی الٹے پاؤں دوڑ سے مغرب میں یہ احساس ابھرا ہے کہ مسلمان ابھی زندہ ہے اور وقت نے اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑا۔ ذرا سی وقت نے راکھ اڑا دی تو نور توحید سے دکھتا ہوں یہ سرخ انگارا اور پیش دینے لگے گا غفلت کی راکھ میں دبی ہوئی آگ کو ایمان کی پھونکی کی محمولی سی ہوائے اور روشن کر دیا ہے جہاد کے خلاف مغرب نے ہمیشہ سازشیں کیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو غدر بتایا، اسباب بغاوت ہند کا رسالہ اور کاذب نبوت دونوں مسلمانوں کے اس جذبے کو سرد نہ کر سکیں۔ مسلمانوں میں مہدویت، مجددیت امامت اور موعودیت کے نام پر مغرب نے جتنے بھی ذہنی غلام پیدا کئے وہ مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو سرد نہ کر سکے، بے تیغ مسلمان سپاہیوں نے لڑ لڑ کر جہاد کے ذریعے ہر بار مغرب کی بساط الٹ پلٹ دی۔ اور وہ ملک ملک دیدم دم نہ کشیدم کی تصویر حیرت بن کر رہ گیا ہے۔ ۲۱ صدی میں مغرب خوف زدہ ہے کہ یہ نہتے مسلمان خود اس سے ایٹمی ہتھیار اور ٹیکنالوجی چھین کر اس پر نہ پل پڑیں۔ اور وہ سحر بے حجاب ہو جائے جو اقبال کی مجذوبانہ فراست نے دیکھی تھی۔ ظلمت، کفر اور ظلم کی شب

☆ الضرر لا یزال بالضرر ☆ نقصان کا ازالہ نقصان سے نہیں کیا جائے گا ☆

مسلمانوں کے لہو سے گریزاں ہو جائے اور ۲۱ ویں صدی میں دنیا ایک نئے خورشید کے جلوؤں سے ضیاء بار ہو اور جہاں توحید کے نعروں سے معمور ہو جائے۔ عالم اسلام اس وقت دنیا کی بہترین جغرافیائی حدود پر قابض ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ معلوم دنیا کے قلب میں واقع ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ مشرق اور مغرب دونوں کے راستے عالم اسلام سے گزرتے ہیں۔ عالم اسلام کی اسٹریٹجک پوزیشن، مشرق اور مغرب میں توازن قائم رکھنے میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ بھارت عالم اسلام کی اجازت اور مرضی کے بغیر یورپ سے روابط نہیں رکھ سکتا مسلمان اگر تھوک دیں تو اسرائیل اس میں ڈوب جائے اسرائیل عالم عرب کو اینٹیم بموں سے ڈرا سکتا ہے مگر استعمال نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اس پر ایک اینٹیم بم گرا دیا جائے تو وہ نابود ہو جائے۔ اسی طرح امریکہ اسرائیل کو اسٹیمپلش کرنے کے لئے فلسطینیوں کی انگٹ شوئی چاہتا ہے کیونکہ پرامن بقائے باہمی سے ہی اسرائیل قائم رہ سکتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ نازیوں کی طرح فلسطینیوں کے ہاتھوں یہودیوں کا دوبارہ قتل عام ہو کیونکہ اسرائیل کے بعد یہودیوں کو اور کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ عالم اسلام کے پاس بہترین افرادی قوت ہے۔ بہترین دماغ ہیں۔ بہترین محنت کرنے والے ہاتھ ہیں۔ عالم اسلام کے پاس بہترین زرعی، آبی اور فضائی راستے ہیں۔ پانی، تیل، سونا، گیس، معدنیات اور سب سے بڑھ کر زرخیز زمینیں ہیں جو ضرورت کا تاج پھل اور پھول اگا سکتیں ہیں۔ مادی لحاظ سے عالم اسلام کو قدرت نے بڑی فیاضی سے نوازا ہے۔ عالم اسلام ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ متعدد عوارض میں بھی گھرا ہوا ہے۔ اس کے وسائل پر خود اس کی اپنی دسترس نہیں عالم اسلام پر مغرب کا پس نواؤ بادیاتی نظام مسلط ہے۔ یہاں جو بادشاہتیں ہیں ان کی زندگی اور بقا کا دار و مدار بھی خود مغرب پر ہے۔ وہ مغرب کی آکسیجن کے بغیر سانس نہیں لے سکتیں۔ وہ اپنے عوام میں اپنی جڑیں نہیں رکھتیں۔ وہ مغرب کے آکسیجن ٹینٹ میں زندہ ہیں۔ جہاں عالم اسلام میں آمریتیں ہیں وہ نہایت درجہ کرپٹ ہیں۔ عالم اسلام کی رگ تاک بھی پنجہ یہود و نصاریٰ میں ہے۔ اقوام متحدہ، سلامتی کونسل ورلڈ بینک، عالمی مالیاتی ادارے یہ تمام امریکی نجار کارندے ہیں۔ عالم اسلام کی دولت تیل زرعی اجناس اور معدنیات، امریکہ، برطانیہ، فرانس اور سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں پڑی ہے اور عالم اسلام ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر پھوٹی کوڑی بھی استعمال نہیں کر سکتا۔ ہماری اپنی دولت بھی ہمیں بھیک میں ملتی ہے۔ ایف سولہ طیاروں کی رقم کی واپسی اس کا ثبوت ہے۔ امریکہ جب چاہتا ہے عراق پر چڑھ دوڑتا ہے اور عالم اسلام گونگا بہرا ہو کر بیچارگی سے یہ تماشا دیکھتا رہتا ہے۔ کھس سے کسی در ماندہ

☆ اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام ☆ جب حلال و حرام جمع ہو جائیں تو حکم غالب ہوگا ☆

راہروں کی صدائے دردناک بھی احتجاج میں سنائی نہیں دیتی۔ عراق کے معصوم بچوں کی لاشیں اور عورتوں کی جینیں بھی ہم دیکھنے اور سننے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ ہمیں زندہ رہنے کے لئے اذن بھی امریکہ دیتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہم امریکہ اور کفر کی طاقتوں سے خوف زدہ ہیں۔ جذبہ جہاد سے مسلمان عوام تو سرشار ہیں مگر مسلمان عوام پر مسلط قیادتیں بالکل بانجھ ہیں۔ ہماری جمہوریتیں بھی ہماری بے چارگی کا نوحہ ہیں۔ عالم اسلام جس دلیر، جری، زیرک اور جذبہ ایمانی سے سرشار قیادت کا خواہاں ہے وہ ہمیں ابھی تک نظر نہیں آ رہی۔ بہترین جغرافیائی محل وقوع، بہترین افرادی قوت، بہترین معدنی دولت اور آبی اور زمینی وسائل رکھنے والا عالم اسلام جس کے پاس جذبہ جہاد بھی ہے اور بہترین کتاب حکمت قرآن بھی اور اپنے عہد کے عصری مسائل کے حل کی کلیہ اجتہاد بھی اس کے لئے کوئی راہ عمل ہے جس کو اپنا کردہ نوع انسانی کو وہ قیادت فراہم کر سکتا ہے جس کے ہاتھوں میں اس کے لئے امن، ترقی اور خوشحالی کی بشارت ہو۔ یہ ہے وہ سوال جس کا جواب مجھے فراہم کرنا ہے۔ مگر پہلے یہ تجزیہ کر لیں کہ مسلمانوں نے اس کے لئے اب تک کیا راہ عمل اختیار کر رکھی ہے۔ خلافت راشدہ کے بعد جب اموی ملوکیت قائم ہوئی اور فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اور اموی ملوکیت نے اپنے استحکام کے لئے خلفائے راشدین کا طریق چھوڑ کر نئے نئے سہارے تلاش کرنے شروع کر دیئے اور عالم اسلام کونت نئے مسائل سے سابقہ پڑا، تو ان حکمرانوں کی نظریں آہستہ آہستہ قرآن سے ہٹتی گئیں اور انہوں نے یہودی اور مسیحی علم کلام سے اپنے کاموں کے جواز فراہم کرنے شروع کر دیئے تاکہ ان کے ظلم و تشدد، ملوکیت اور قرآن سے انحراف کے لئے دلائل میسر آسکیں۔ قرآن پر نہیں مسلمانوں نے خود پر پہلا ظلم قرآن سے انحراف کا کیا اور جبریہ، قدریہ، اشاعرہ اور معتزلہ کے مکاتب فکر وجود میں آئے جو اموی اور عباسی ملوکیت کے خلاف مسلم عوام کے جذبات کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے یہودی اور مسیحی علم کلام سے دلائل لا کر قرآن کی ان سے تطبیق کرنے لگے۔ یہودی علم کلام اور عیسائی کلام خود کیا تھا۔ وہ یونانی افکار کی موسوی اور عیسائی مذہب سے تطبیق سے عبارت تھا اور یہی مرض کہنہ اسلام اور مسلمانوں کو لاحق ہو گیا۔ قرآن کی حکمت و دانش کو یہودی اور عیسائی علم کلام کے نتیجے میں یونانی افکار سے تطبیق دے کر مسلم علم کلام کا کاڑ کباڑ اکٹھا ہونے لگا۔ یوں اسلام اپنے عروج کے زمانے میں ہی بغداد کے بیت الحکمت اور دوسرے اداروں کے ذریعے رجعت اختیار کرنے لگا۔ اور مسلمانوں میں قرآنی حکمت و دانش کے برعکس یونانی فکر و دانش اور تہذیب و ثقافت کا ایک ترقی یافتہ ماڈل تیار ہو گیا

☆ التأسيس خیر من التاكيد ☆ تائیس تاکید کی نسبت بہتر ہوتی ہے ☆

اور جو اقبالِ اسلامی تہذیب و ثقافت سے ہی ارتقائے اب ہو کر جدید مغربی ثقافت میں ظاہر ہوا۔ اگر اسلامی تہذیب کو موجودہ یورپی یا مغربی ثقافت میں ہی ارتقائے اب ہوتا تھا اور یورپی تہذیب کو اسلامی تہذیب کی ہی ترقی یافتہ صورت بننا تھا۔ تو پھر اسلامی تہذیب کی کیا ضرورت تھی۔ کیا محض ایک تاریخی تسلسل کا ہی مرحلہ تھی۔ کیا یہی تمدن جو آج انسانیت کا سب سے بڑا دشمن ہے اسلامی تہذیب کا ارتقا یافتہ ما حاصل ہے۔ مجھے کہنے دیجئے کہ یونانی علم و دانش کے اس عربی ایڈیشن سے جس کا نام مسلم علم کلام ہے قرآن کی حکمت کا کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اس یونانی تہذیب کی ارتقا یافتہ صورت ہے جو اسلام کے گمے میں تطبیق کنندوں نے کاشت کی اور جس کی اسلام میں جڑیں کبھی مضبوطی نہ پکڑ سکیں۔ تطبیق کے ساتھ ساتھ موافقوں کی تلاش کا ایک اھدا شروع ہوا۔ جو تطبیق پذیری سے کم مضحکہ خیز نہ تھا اس میں ہم یونانی، یہودی اور عیسائی علم کلام سے قرآن کی تعلیم اور فکریات کی موافقتیں تلاش کر کے خوش ہوتے ہیں اور تطبیق اور تامل سے ہم قرآن کی حکمت کو یونانی فکر و دانش سے ہم آہنگ کرتے ہیں۔ کام دونوں ہی کے ایک ایسے ہیں دونوں کا مقصد ایک ہی ہے دونوں کند چھریاں ہیں تاکہ وہ قرآن کے احکامات، اعتقادات اور تصورات پر چلا کر انہیں یونانی حکمت و دانش کے سانچوں میں ڈھال کر مسلمانوں کے لئے مرغوب بنا سکیں۔

صدیوں اس پر جبریوں، معتزلیوں اور الکندی، الفارابی، ابن عربی، ابن سینا سے جس تطبیق کے مرض کا آغاز ہوا تھا وہ رکائیں۔ ستر جدید میں یہ آلہ سر سید احمد خان نے اٹھالیا۔ اور معتقدات قرآنی اور تصورات قرآنی کی ایسی ایسی تعبیرات اس تطبیق سے سامنے آئیں کہ لوگ جج اٹھے۔ (جاری ہے)

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے

وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روح قرآنی

خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی

یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی